شاہ ولی اللہ کی نظر میں مسالک فقہیہ کا تعارف

The Introduction of Fiqhiah Schools in the light of Shah Wali Ulla's View

*ڈاکٹر حسین محمد

**شاکر محمود

Abstract:

Wealth in history is remembered in the name of the Abbasid's, golden era. In this era of economic and intellectual empire blossomed in every way. Edit the narration started and completion is the result of the round. Hadith aortal examine the art of perfection reached in the same period. Greek Studies moved into Arabic. According to a group of scholar's Asulyyin (اصولیین) the first code of Islamic Jurisprudence wrote by Imam Shafi"Split"(الرائے) is not currently forming, came to limelight. In this era of Islamic history, the main issue was the establishment of the four Reformative schools and his publicity.

اسلامی تاریخ میں دوسری صدی ہجری کا زمانہ اسلامی علوم وفنون کے حوالے سے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ بالخصوص اس کا نصف آخر اسلامی علوم وفنون اور ان کی تشکیل و تدوین کے لئے مثالی دور کہلاتا ہے۔ اس وقت تیزی سے پھیلتی ہوئی اسلامی ریاست اور امت مسلمہ کے بڑھتے ہوئے مسائل کا حل سوچا جارہا تھا۔ اسلام میں نئے نئے داخل ہونے والے ایرانی، عراقی، مصری، ترکی، ہندوستانی، بربری اور دیگر اقوام کے لوگ اپنے مقامی حالات اور رسم ورواج کے بارے میں اسلامی موقف معلوم کرنا چاہتے تھے۔ نئے سوالات پیدا ہو رہے تھے۔ مثلاً سنت کی تشریعی حیثیت، قرآن حکیم کی تعبیر و تشریح، اجماع کا قانونی حیثیت، قوانین کے نفاذ میں تدریج، نسخ اور تخصیص جیسے مسائل زیر بحث آنے لگے، اس دور کے ائمہ کرام نے اپنی خداداد علمی وفکری صلاحیتوں اور مجتہدانہ بصیرت کی بناء پر اپنے اپنے دور میں حسب ضرورت قرآن وحدیث سے مسائل فقہ مرتب کئے جو بعد میں مسالک فقہیہ کے نام سے مشہور ہوگئے۔ ان مسالک فقہیہ کے تعارف سے متعلق شاہ صاحب کی انفرادیت کو مشخص کرنے کے لئے ضروری ہے کہ فقہ کے ارتقائی ادوار کا عہد بہ عہد پس منظر کا تحقیقی بیان ہو، یہ ادوار درج ذیل ہیں۔

*چیئرمین، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز اینڈ ریسرچ، یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی بنوں

**ایم فل ریسرچ سکالر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز اینڈ ریسرچ، یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی بنوں

عہد رسالت وصحابہ کرام کا دور (0-60ھ)

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر دینی احکام جاری فرماتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وحی سے کوئی حکم نہ ملنے کی صورت میں آپ ﷺ اجتہاد فرماتے۔ بعد میں اللہ تعالی کی جانب سے بذریعہ وحی اس اجتہاد کی توثیق کر دی جاتی یا اگر کسی تغیر و تبدل کی ضرورت پیش آتی تو اس بارے میں آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے رہنمائی فراہم کر دی جاتی۔

رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ اصحاب میں بہت سے ایسے تھے جو آپ کی حیات طیبہ ہی میں فتوی (دینی معاملات میں ماہرانہ رائے) دینا شروع کر چکے تھے۔ ظاہر ہے ایسا حضور ﷺ کی اجازت کے ساتھ ہی ہوا تھا۔ ان صحابہ میں سیدنا ابو بکر، عمر، عثمان، علی، عائشہ، عبد الرحمٰن بن عوف، عبد اللہ بن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہم کے فتاوی مشہور ہیں۔

ان کے فتوی دینے کا طریق کار یہ تھا کہ جب ان کے سامنے کوئی صورت حال پیش کی جاتی تو وہ اس کا موازنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش آنے والی صورتحال سے کرتے اور ان میں مشابہت کی بنیاد پر حضور ﷺ کے فیصلے کی بنیاد پر اپنا فیصلہ سنا دیتے۔ خلافت راشدہ کے دور میں بھی یہی طریق کار جاری رہا۔ حکومت سے ہٹ کر انفرادی طور پر بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لوگوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ انہیں فقہی اور قانونی معاملات میں فتاوی جاری کیا کرتے تھے۔ یہ فتاوی اگرچہ قانون نہ تھے لیکن لوگ ان صحابہ پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے اجتہادات کی پیروی کرتے۔ سیدنا عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے دور میں بہت سے صحابہ مفتوحہ ممالک میں پھیل گئے اور مقامی آبادی کو دین کی تعلیم دینے لگے۔ یہ حضرات لوگوں کے سوالات کا قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دیتے اور فتاوی جاری کرتے۔[1]

تابعین کا دور (90-150ھ)

پہلی صدی ہجری کے آخری عشرہ (تقریباً 730ء) تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ سیدنا سہل بن سعد الساعدی، انس بن مالک اور عامر بن واثلہ بن ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہم آخر میں وفات پانے والے صحابہ ہیں۔ اب تابعین کا دور تھا۔ اس دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تربیت یافتہ افراد کثرت سے موجود تھے۔ ان میں نافع مولی ابن عمر، عکرمہ مولی ابن عباس، مکہ کے عطاء بن رباح، یمن کے طاؤس بن کیسان، یمامہ کے یحیی بن کثیر، کوفہ کے ابراہیم النخعی، بصرہ کے حسن بصری اور ابن سیرین، خراسان کے عطاء الخراسانی، اور مدینہ کے سعید بن مسیب اور عمر بن عبد العزیز (رحمھم اللہ) کے نام زیادہ مشہور ہیں۔[2] شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کے اصحاب کے نقطہ ہائے نظر میں اختلاف پیدا ہو گیا اور تابعین نے حسب توفیق ان کے علوم کو ان سے اخذ کر لیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور صحابہ کرام کے نقطہ ہائے نظر کو سنا اور سمجھا۔ اس کے بعد انہوں نے اختلافی مسائل

کو اکٹھا کیا اور ان میں سے بعض نقطہ ہائے نظر کو ترجیح دی۔ اس طرح ہر تابعی نے اپنے علم کی بنیاد پر ایک نقطہ نظر اختیار کر لیا اور ان میں سے ہر ایک کسی شہر کا امام (لیڈر) بن گیا۔ مثال کے طور پر مدینہ میں سعید بن المسیب اور سالم بن عبد اللہ بن عمر اور ان کے بعد زہری، قاضی یحیٰ بن سعید اور ربیعۃ بن عبد الرحمٰن، مکہ میں عطاء بن ابی رباح، کوفہ میں شعبی اور ابراہیم النخعی، بصرہ میں حسن بصری، یمن میں طاؤس بن کیسان، شام میں مکحول۔ اللہ تعالی نے لوگوں کے دل میں علوم کا شوق پیدا کر دیا تھا، اس وجہ سے لوگ ان اہل علم کی طرف راغب ہو گئے اور ان سے حدیث اور صحابہ کے نقطہ ہائے نظر اور آراء حاصل کرنے لگے۔ تابعین نے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے ریکارڈ کو محفوظ کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہر شاگرد نے اپنے استاذ صحابی کے عدالتی فیصلوں اور فقہی آراء کو محفوظ کرنے کا اہتمام بھی کیا۔ سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے دور حکومت میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں اور احادیث کو محفوظ کرنے کا سرکاری حکم جاری کیا اور فتوی دینے کا اختیار اہل علم تک ہی محدود کیا۔ آپ ابو بکر محمد بن عمرو بن حزم الانصاری کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی جو حدیث بھی آپ کو ملے، اسے لکھ کر مجھے بھیج دیجیے کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اہل علم کے رخصت ہونے کے ساتھ ساتھ یہ علم بھی ضائع نہ ہو جائے۔"[3]

تبع تابعین کا دور (150-225ھ)

تابعین کا دور کم و بیش 150 ہجری (تقریباً780ء) کے آس پاس ختم ہوا۔ اپنے دور میں تابعین کے اہل علم اگلی نسل میں کثیر تعداد میں عالم تیار کر چکے تھے۔ یہ حضرات تبع تابعین کہلاتے ہیں۔ ان میں امام ابو حنیفہؒ بھی شامل ہیں۔ اس وقت تک اصول فقہ کے قواعد اور قوانین پر اگرچہ مملکت اسلامیہ کے مختلف شہروں میں عمل کیا جا رہا تھا لیکن انہیں باضابطہ طور پر تحریر نہیں کیا گیا تھا۔ یہ دور فقہ کے مشہور ائمہ کا دور تھا۔

کوفہ میں امام ابو حنیفہؒ (وفات 150ھ) فقیہہ تھے۔ انہوں نے کوفہ میں قیام پذیر ہو جانے والے فقہاء صحابہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود اور علی رضی اللہ عنہما اور فقہاء تابعین جیسے قاضی شریح (وفات 77ھ)، شعبی (وفات 104ھ)، ابراہیم نخعی (وفات 96ھ) رحمۃ اللہ علیہم کے اجتہادات کی بنیاد پر قانون سازی کا عمل جاری رکھا۔[4]

اہل مدینہ میں امام مالکؒ (وفات 179ھ) کا مکتب فکر وجود پذیر ہوا۔ انہوں نے مدینہ کے فقہاء صحابہ سیدنا عمر، ابن عمر، عائشہ، عبد اللہ بن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور فقہا تابعین و تبع تابعین سعید بن مسیب (وفات 93)، عروہ بن زبیر (وفات 94ھ)، سالم (وفات 106ھ)، عطاء بن یسار (وفات 103ھ)، قاسم بن محمد بن ابو بکر (وفات 103ھ)، عبید اللہ بن عبد اللہ (وفات 99ھ)، ابن شہاب زہری (وفات 124ھ)، یحیٰ بن سعد (وفات 143ھ)، زید بن اسلم (وفات 136ھ)، ربیعۃ الرائے (وفات 136ھ) رحمۃ اللہ علیہم کے اجتہادات کی بنیاد پر قانون سازی کا عمل شروع کیا۔

امام ابو حنیفہ جو کہ حماد (وفات 120ھ) اور امام جعفر صادق (وفات 148ھ) رحمہم اللہ کے شاگرد تھے، کی تقریباً چالیس افراد

پر مشتمل ایک ٹیم تھی جو قرآن و سنت کی بنیادوں پر قانون سازی کا کام کر رہی تھی۔ اس ٹیم میں ہر شعبے کے ماہرین شامل تھے جن میں زبان، شعر و ادب، لغت، گرائمر، حدیث، تجارت، سیاست، فلسفے بلکہ ہر علم کے ماہرین نمایاں تھے۔ ہر سوال پر تفصیلی بحث ہوتی اور پھر نتائج کو مرتب کر لیا جاتا۔ امام صاحب نے خود تو فقہ اور اصول فقہ پر کوئی کتاب نہیں لکھی لیکن ان کے فیصلوں کو ان کے شاگردوں بالخصوص امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی علیہما الرحمۃ نے مدون کیا۔ امام ابو حنیفہ اور مالک کے علاوہ دیگر اہل علم جیسے سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد علیہم الرحمۃ یہی کام کر رہے تھے لیکن ان کے فقہ کو وہ فروغ حاصل نہ ہو سکا جو حنفی اور مالکی فقہ کو ہوا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ہارون رشید کے دور میں حنفی فقہ کو مملکت اسلامی کا قانون بنا دیا گیا اور مالکی فقہ کو سپین کی مسلم حکومت نے اپنا قانون بنا دیا۔[5]

اہلسنت والجماعت کے چار ائمہ:

1. امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م150ھ)
2. امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (م189ھ)
3. امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م204ھ)
4. امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (م241ھ)

ان ائمہ کرام نے اپنی خداداد علمی و فکری صلاحیتوں اور مجتہدانہ بصیرت کی بناء پر اپنے اپنے دور میں حسب ضرورت قرآن و حدیث سے مسائل فقہ مرتب کئے، یوں ان ائمہ کے زیر اثر مسالک فقہیہ اور چار فقہی مکاتب فکر وجود میں آئے۔ جن میں:

- امام اعظم کے مقلدین **حنفی** کہلاتے ہیں۔
- امام مالک کے مقلدین **مالکی** کہلاتے ہیں۔
- امام شافعی کے مقلدین **شوافع** کہلاتے ہیں۔
- امام احمد بن حنبل کے مقلدین **حنبلی** کہلاتے ہیں۔[6]

مسالک فقہیہ و اجتہادی مکاتب فکر:

اس دور میں دوسرے علوم کی اشاعت سے قطع نظر چار فقہی و اجتہادی مکاتب فکر کی تشکیل و رواج تاریخ اسلامی کا نمایاں باب ہے۔ عام اصولیین کے ہاں تشکیل مذاہب میں مذہب حنفی کو زمانی اولیت حاصل ہے۔ مگر شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں حنفی مذہب کی تشہیر و تدوین کا بڑا باعث چونکہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ 805ء/189ھ کی کتب ظاہر الروایہ کو قرار دیتے ہیں اور یہ حضرت امام مالکؒ کے شاگردوں میں بھی ہیں۔ یہ امر بھی شاہ ولی اللہؒ کے ہاں مسلم ہے کہ موطا امام مالک تمام صحاح ستہ اور مذاہب کے لئے بطور اساس واُم کی ہے۔ لہٰذا وہ مالکی مذہب کو پہلے ذکر کرتے ہیں۔[7]۔ شاہ صاحب مسالک فقہیہ کی تشکیل کے

حوالہ سے منفردانہ تجزیہ پیش کرتے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ صحابہؓ کی اجتہادی آراء کو تابعین کے دور میں دو بڑے حجازی اور عراقی فقہی رجحانات پر منتج مانتے ہیں۔ مالکی مذہب کو حجازی مکتب فکر کے نمائندہ کے طور پر جب کہ حنفی مسلک کو عراقی مکتب فکر کے نمائندہ کے طور پر مانتے ہیں، دونوں مذاہب کے امتزاج سے شافعی مسلک کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔ شاہ صاحب یہ بھی مدلل طریقے سے لکھتے ہیں کہ مذہب شافعی اپنے پیش رو مکاتب فکر یعنی موالک واحناف سے صرف پانچ اعتبار سے مختلف ہیں۔
شاہ صاحب تینوں مذاہب کا تاریخی پس منظر اور ان کے طرق اجتہادات کا جائزہ پیش کر کے اصحاب الحدیث والرائے کے باہمی رجحانات کا تنقیدی جائزہ پیش کر کے لکھتے ہیں کہ ان دونوں رجحانات میں بنیادی فرق دینی معاملات میں رائے کا استعمال وعدم استعمال ہے۔ ابتداء میں علماء کی ایک جماعت دینی معاملات میں رائے سے گریزاں تھی، بعد کے ادوار میں رائے کا استعمال کثرت سے ہونے لگا۔ اس تناظر میں شاہ صاحب اصحاب الحدیث کی علمی کاوشوں خصوصاً صحاح ستہ کی تدوین، فن اسماء الرجال کو مخصوص خطوط پر استوار کرنا اور بڑے بڑے محدثین کے تراجم کے بارے میں تفصیلی خاکہ پیش کرتے ہیں۔[8]

فقہ حنفی

اس فقہ کا انتساب نعمان بن ثابت امام ابو حنیفہؒ کی طرف ہے۔ آپ کی ولادت 700ء/80ھ جب کہ وفات 768ء/150ھ میں ہوئی۔ آپ اہل عراق کے گل سرسید، موالی تابعی اور نہایت تقویٰ دار، بصیرت والی شخصیت کے حامل تھے۔ امام صاحب نے عراق کے مخصوص ماحول میں پرورش پائی، آپ کی علمی زندگی کی ابتداء علم کلام کے مطالعے سے ہوئی۔ پھر آپ نے اہل کوفہ کی فقہ اپنے استاد حماد بن ابی سلیمانؒ (م738ء/120ھ) سے پڑھی۔ آپ نے کپڑے کی تجارت کو ذریعہ معاش بنایا آپ کے تعلیمی مشاغل سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو علم کلام میں تخصیص کا درجہ حاصل تھا۔ جیسا کہ خود آپ کا بیان ہے۔ کنت انظر فی الکلام حتیٰ بلغت فیہ مبلغاً یشار الیّ بالاصابع۔[9] "میں علم کلام میں دلچسپی رکھتا تھا، حتیٰ کہ اس میں وہ مقام حاصل کر لیا کہ لوگ میری طرف انگلیوں سے اشارہ کرنے لگے"۔
امام صاحب نے قوت استدلال میں خوب مہارت حاصل کر لی حتیٰ کہ فہم واستنباط میں آپ کی ہستی نادر روزگار قرار پائی، فقہ میں امام مالکؒ کے مصالح مرسلہ کی طرح آپ نے اپنے مذہب کو استحسان پر استوار کیا۔ استحسان عام قیاس کے مقابلے میں مصلحت کے اعتبار سے اوفق واصلح ہوتا ہے۔ امام صاحب کی ہی فقیہانہ بصیرت کا نتیجہ ہے کہ فقہ حنفی معاصر فقہی مکاتب سے برتر قرار پائی ہے اور یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ عملی مسائل میں یہ زیادہ قابل عمل اور سائنسی و قانونی ہے، امام محمدؒ امام صاحب کے استحسانی ملکہ استنباط سے متعلق لکھتے ہیں " ان اصحابہ کانوا ینازعونہ المقائس فاذا قال استحسن لم یلحق بہ احد"[10]

"امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد قیاسی معاملات میں ان کے ساتھ رد و قدح کرتے تھے لیکن جب وہ یہ کہہ دیتے کہ میں نے استحسان کیا ہے تو پھر اس تک کوئی پہنچ نہ پایا"۔

امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد:

امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے شیوع کا بڑا باعث ان کے مایہ ناز شاگردوں کا میسر ہونا ہے۔ آپ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ امام ابو یوسفؒ،

زفر بن ہذیلؒ، محمد بن حسن شیبانیؒ اور حسن بن زیاد لوئی مشہور ہیں۔

فقہ حنفی کا اہم کردار:

امام حافظ شمس الدین ذھبی، جو علم تاریخ اور اسماء الرجال کی اہم ترین شخصیت سمجھے جاتے ہیں، اپنی مشہور کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں فقہ حنفی کے اہم کردار کی یوں تصویر کشی کرتے ہیں۔ ترجمہ: کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ علیؓ اور ابن مسعودؓ ہیں اور ان دونوں کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ علقمہ ہیں اور علقمہ کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ ابراھیم نخعی اور ابراھیم نخعی کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ حماد اور حماد کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ امام ابو یوسفؒ اور امام ابو یوسفؒ کے اصحاب آفاق عالم میں پھیل گئی اور ان میں سب سے بڑے فقیہ امام محمدؒ اور ان کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ امام ابو عبد اللہ الشافعیؒ ہیں۔[11]

فقہ مالکی:

یہ فقہ مالک بن انسؒ (م796ء / 179ھ) کی طرف منسوب ہے۔ امام صاحب کی ولادت 712ء / 93ھ مدینہ میں ہوئی۔ آپ کے دادا ابو عاصم اصحاب رسولؐ میں سے تھے۔ وہ یمن سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ مالک بن انسؒ نے ہوش سنبھالتے ہی علماء مدینہ سے اخذ و استفادہ کیا، عبد الرحمان بن ہرمز کے پاس مدت طویلہ تک رہنے کے بعد حضرت ابن عمرؓ کے مولیٰ نافع اور ابن شہاب الزہری سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ فقہ میں آپ کے شیخ ربیعہ ابن عبد الرحمان ہیں۔ جب آپ کے شیوخ نے آپ کو حدیث و فقہ کی شہادت دی تو مدینہ کے مسند روایت و فتویٰ پر بیٹھ گئے۔

امام مالکؒ خود فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک منصب قضا پر نہیں بیٹھا جب تک کہ ستر (70) اہل شیوخ نے میرے لئے یہ شہادت نہ دی کہ میں اس کا اہل ہوں۔[12] یقیناً آپ مدینہ کے علمی توارث کے امین ثابت ہوئے۔ امام مالکؒ کے شخصی حالات کے تعارف کے درجہ میں کچھ تفصیل یہ ہے کہ امام مالکؒ مدینہ کے عالم، فقیہ اور محدث تھے۔ حتیٰ کہ یہ کہا جاتا تھا کہ مدینہ میں امام مالکؒ کے موجود ہوتے ہوئے کون فتویٰ دے سکتا ہے؟ آپ کی جلالتِ علمی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ امام شافعیؒ کے بھی استاد ہیں۔ امام شافعیؒ ان کو حجۃ اللہ یعنی اللہ کی نشانی قرار دیتے تھے۔ امام مالک نے اپنے فقہی اجتہادات کا مبنیٰ

حدیث صحیح اور تعامل مدینہ پر رکھا۔ آپ نے پیش آمدہ مسائل میں مصالح مرسلہ کو بروئے کار لایا۔ آپ کی فقہ یحیٰ بن مسعود الاندلسیؒ کی وجہ سے خصوصاً مغرب میں رواج پا گئی۔[13]

اندلس میں فقہ مالکی کی شہرت کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ فقہ مالکی\"بداوت\" کے زیادہ قریب تھی۔ چونکہ اہل مغرب اور اندلس والوں کی پہنچ مدینہ اور مکہ تک تھی، یہیں ان کا سفر ختم ہو لیتا، لہٰذا مدینہ جس کی حیثیت اس وقت ایک دار العلم کی تھی، سے اخذ و استفادہ کرتے رہے۔ یوں اندلس میں فقہ حجازی ہی رواج پا گئی، بعد میں یہ مذہب الجزائر، تیونس اور طرابلس کے باشندوں نے اختیار کیا، حتیٰ کہ پوری دنیا میں اس مذہب کے پیروں کاروں کی تعداد ساڑھے چار کروڑ بتائی جاتی ہیں۔[14]

امام مالکؒ چونکہ امام ابو حنیفہؒ کے بھی معاصر تھے، لہٰذا ان کے ساتھ ملاقات اور ان سے علمی مذاکرے ثابت ہیں۔ امام مالکؒ عالی ہمت، صاحب جرات، راسخ العقیدہ اور قوی الایمان عالم تھے، کسی کی جاہ و جلال سے مرعوب ہونے والے نہ تھے۔ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ درس حدیث دیتے، آپ کی راسخ العقیدگی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ حاکم مدینہ جعفر بن سلیمان نے اس لئے آپ کو کوڑے لگوائے کہ آپ نے جبریہ بیعت کے عدم جواز کا فتویٰ دیا۔[15]

امام مالکؒ کے اصول استنباط مسائل:

نصوص یعنی قرآن و سنت سے استدلال تو تمام ائمہ مجتہدین کے ہاں اصل ہے۔ البتہ روایات حدیث میں رفع تعارض اور بعض احادیث کو بعض پر ترجیح کا عمل مختلف ائمہ کے ہاں مختلف اصولوں پر مبنی ہیں۔ اس ضمن میں امام شافعیؒ عموماً اصح اسانید کو اختیار کرتے ہیں، امام مالکؒ کے ہاں بڑا مرجح عمل مدینہ اور فقہاء سبعہ کا مسلک ہے۔ امام ابو حنیفہؒ قرآن و سنت مشہورہ سے مستنبط اصول و کلیات اور صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کے فتویٰ و عمل سے مطابقت کو زبردست مرجح تصور کرتے ہیں، لہٰذا امام مالکؒ اہل حجاز کے امام ہیں، آپ نے اہل مدینہ کے عمل کو معیار قرار دے کر ان پر استنباط احکام کا مدار رکھا۔ مصالح مرسلہ کو بھی وہ اہم استدلال کے طور پر اطلاق کرتے تھے۔ امام مالکؒ کے شاگردوں میں امام محمد بن حسن شیبانیؒ حنفی اور صاحب مذہب امام شافعیؒ قابل ذکر ہیں۔ [16]

فقہ شافعی:

امام محمد بن ادریس شافعی قریشی م768ء/150ھ "غزہ" میں پیدا ہوئے۔ 820ء/204ھ کو مصر میں ان کی وفات ہوئی، امام شافعیؒ کی زندگی واقعۃً متحرک تھی، آپ نے متعدد اسفار اختیار کئے جس کی وجہ سے ان کے مذہبی رجحانات بدلتے گئے۔ آپ نے حجاز میں امام مالک بن انس سے حجازی فقہ کا علم حاصل کیا پھر عراق پہنچ کر امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی سے اخذ علم کیا۔ صحراعرب، یمن، مصر، عراق وغیرہ مقامات پر قیام پزیر ہوئے۔ عمر کے آخری مرحلہ 198ھ میں مصر تشریف لے گئے اور یہیں 820 تا204ھ میں وفات پائی۔[17]

امام شافعیؒ ابتداءً امام مالکؒ سے بڑے متاثر تھے اور ان کے مقلد تھے۔ بعد میں اپنے اسفار کے تجربات کی بنیاد پر اپنے پہلے اقوال ترک کر کے مصر میں اقامت گزیں ہونے کے ساتھ ساتھ نئے مصری مذہب کی بنیاد ڈالی اور یہی مذہب ان کا شعار بنا۔ امام شافعیؒ فن لغت، فقہ اور حدیث کے متبحر عالم تھے۔ دقیق نظر اور استنباط مسائل میں مہارت رکھتے تھے۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ امام شافعیؒ کا علمی سرمایہ ہمیں "کتاب الام" کی شکل میں ملا ہے۔ محقق امر یہ ہے کہ یہ کتاب خود امام شافعیؒ کی تصنیف کردہ ہے۔[18] اس بارے میں امام غزالی کا یہ نقد کہ امام شافعیؒ کے شاگرد ابو یعقوب بویطی کا تحریر کردہ ہے خود محل نظر ہے، کتاب الام سات اجزاء پر مشتمل ہے اور علوم فقہیہ کی جامع ترین کتاب ہے، جس میں عبادات، معاملات، مناکحات اور عقوبات وغیرہ مسائل پر سیر حاصل بحث کے ساتھ صحابہ و تابعین مجتہدین کے اختلاف کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اصول فقہ کے موضوع پر یہ ایک اساسی کتاب ہے۔

امام شافعیؒ کے شاگرد و مقلدین:

امام شافعیؒ کے شاگردوں میں امام احمد بن حنبلؒ جو صاحب مذہب ہیں کے علاوہ امام داؤد ظاہری، ابو ثور، بغدادی، ابو جعفر بن جریر طبری شامل ہیں، ان کے علاوہ ابو یعقوب بویطی (م864ء / 231ھ) اسماعیل مزنی (878ء / 264ھ) اور ربیع سلیمان جیزی (م870ء / 256ھ) آپ کے مصری شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ شافعی مذہب کے مقلدین کی بڑی تعداد مصر میں پائی جاتی ہے۔ خود امام شافعیؒ نے اپنے مذہب کی ترویج یہیں سے کی تھی۔ شافعیت کیوں پھیلی؟ اس بارے میں شاہ ولیؒ اللہ کے فکر کے ترجمان عبید اللہ سندھیؒ کا خیال ہے کہ حنفیت و شافعیت ہر دو مسالک کے تنوع و ترویج میں بالترتیب حکومتی سرپرستی اور علمی جلالت دو اہم عناصر کا عمل دخل ہے۔ سندھیؒ صاحب یہ لکھتے ہیں کہ حنفیت و شافعیت کے اختلاف پر شاہ صاحب زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے، اس لئے کہ اسلام کی بین الاقوامی سیاست میں جیسے عربوں کو عمل دخل رہا ہے ایسے ہی عجم نے بھی سیاست اسلامیہ کا فرض ادا کیا ہے۔ عربوں کے علاقہ میں فقہ شافعیؒ مناسب ہے جب کہ عجم ممالک میں فقہ حنفی زیادہ موزوں ہے، کیونکہ اس کی تخلیق میں ہر متعلقہ خطہ کے عناصر شامل ہیں۔[19]

فقہ حنبلی:

شاہ صاحب تینوں مکاتب فکر کا تذکرہ کر کے طبقہ اہل الحدیث کے سرخیل امام احمد بن حنبلؒ (م856ء / 241ھ) اور اسحاق بن راہویہ (م853ء / 238ھ) کا تذکرہ کرتے ہیں، وہ ائمہ حدیث امام بخاریؒ، امام مسلم اور ابو داؤد سجستانی کو بھی اس مذہب کے پیرو بتاتے ہیں، کبھی ان حضرات کے مسلک کو فقہ الحدیث کا مذہب لکھتے ہیں، شاہ صاحب خود امام احمد بن حنبلؒ کی علمی جلالت کو یوں بیان کرتے ہیں:

"وكان اعظمهم شاناًواوسعهم رواية واعرفهم للحديث مرتبة واعمتهم فقها:**احمدبن حنبل و اسحاق بن راهوية**" [20]۔ ترجمہ: وہ بڑے شان والے تھے، روایت کے لحاظ سے بڑی وسیع معلومات رکھتے تھے۔ حدیثوں کی صحت اور مرتبہ کو زیادہ جانتے تھے، اور فقاہت کے میدان میں سب سے گہرے احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہ تھے۔

امام احمد بن حنبل کی ولادت (146ھ) کو بغداد میں ہوئی اور وہیں (241ھ) ان کی وفات ہوئی۔ آپ نے طلب علم میں بڑی سیاحت کی۔ لہٰذا آپ نے شام، حجاز، یمن، کوفہ اور بصرہ کے اسفار اختیار کئے جس کے نتیجے میں آپ حدیث کے بڑے امام قرار پائے اور چھ جلدوں پر مشتمل مسند احمد بن حنبل کے نام سے مجموعہ احادیث تیار کیا جس میں چالیس ہزار حدیثیں ہیں۔

آپ نے اپنے مذہب کی بنیاد ظاہر حدیث پر رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اجتہاد بالرائے سے محترز تھے۔ آپ کے اس رجحان کو دیکھ کر ابن جوزیہ نے آپ کو زمرہ مجتہدین کی بجائے زمرہ محدثین امام بخاریؒ امام مسلم اور امام ترمذی میں سے شمار کیا ہے۔ ابن ندیم بھی محدثین کی فہرست میں ان کا نام ذکر کرتے ہیں۔

حنبلی مذہب میں حدیثی اثر کا انکار تو نہیں کیا جاسکتا ہے مگر ان کا مذہب اہل سنت کے فقہی مذاہب سے خارج بھی نہیں کیا جاسکتا ہے، امام احمد بن حنبلؒ خاص فقہی اسلوب رکھتے تھے۔ اصول و فروع میں ان کے اپنے باقاعدہ اصول تھے، وہ گو امام شافعیؒ کے باقاعدہ شاگرد تھے، تاہم آپ نے مجتہد مستقل کی حیثیت سے اپنے مذہب کی بنیاد جن اصولوں پر استوار کیا، استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ ہیں:

1. آیت قرآنی واحادیث نبویؐ سے استدلال کرنا۔
2. صحابہؓ کے فتاویٰ واقوال پر مذہب کی بنیاد بشرط یہ کہ وہ اقوال متفق علیہ ہوں۔
3. بعض صحابہ کے اقوال کو جو موافق قرآن وسنت ہوں، کو ترجیح دینا۔
4. مرسل احادیث سے استدلال کرنا اور نہ ضرورت کے وقت قیاس سے مسئلہ حل کرنا۔

امام احمد بن حنبلؒ عقیدے کے بڑے پکے تھے۔ خلیفہ واثق باللہ نے آپ کو مجبور کرنا چاہا کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کریں تو آپ نے صاف صاف انکار کیا۔ جس کی پاداش میں جیل کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔

امام احمد بن حنبل کے شاگرد ومقلدین:

امام احمد بن حنبل کے کئی نامور شاگرد ومقلدین آپ کے مذہب کی اشاعت کا باعث بنے، جن میں خصوصاً درج ذیل اہل علم کے نام نمایاں ہیں:

1. ابوالقاسم خرقی (م334ھ) جو مصنف "المختصر" ہیں۔

2. موفق الدین ابن قدامہ (م620ھ) مصنف "المغنی" ہیں۔
3. تقی الدین احمد بن تیمیہ (م 728ھ) مصنف "فتاویٰ ابن تیمیہ مجموعۃ الرسائل، الکبریٰ ومنہاج السنۃ و رسالہ معارج الاصول۔
4. ابن القیم الجوزیہ (م751ھ) مولف اعلام الموقعین عن رب العالمین. والطرق الحکمیہ فی السیاسیۃ الشرعیہ، زادالمعاد فی ھدی خیر العباد۔

امام احمد بن حنبل کا مذہب بہت کم پھیلا:

اس مذہب کی ابتداء بغداد سے ہوئی پھر مصر و عراق تک وسیع ہوا۔ ابن تیمیہ اور ان کے مایہ ناز شاگرد ابن قیم کے ذریعے آٹھویں صدی ہجری میں

اس کی تجدید ہوئی۔ تحریکات اسلامی پر نظر رکھتے ہوئے مورخین اٹھارویں صدی عیسوی میں شیخ محمد بن عبد الوہاب (م1206ھ) کی دینی اصلاحی تحریک کے ڈانڈے حنبلی مذہب کے ساتھ ملاتے ہیں کیونکہ سلف کا سرمایہ استدلال بھی قرآن و حدیث صحیح رہا۔ تقلید کے یہ قائل نہ تھے اور ان کا دعویٰ ہے کہ امت اسلامیہ کے ذہنوں سے نقد و نظر کے جوہر نے اندھی تقلید ہی فنا کردی ہے۔

یہ امر بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ شاہ ولی اللہؒ اور شیخ عبد الوہاب نجدی دونوں ہم عصر تھے، دونوں نے اسلام کو اصولی روح پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس عہد میں جیسے اسلامیان ہند کے سامنے اسلام کی حقیقی شکل مفقود ہو چکی تھی۔ ایسے ہی اہل عرب عیش پرستوں میں گھرے ہوئے تھے اور اسلام کی روشنی سے محروم تھے، دونوں کا مقصد امت اسلامیہ کی اجتماعی اصلاح تھا، ایک مفکر نے ہند میں اصلاحی تحریک کی بنیاد ڈالی، دوسرے نے عرب خطے میں سکہ منوایا۔ امر طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا دونوں مصلحین کی ملاقات بھی ثابت ہے یا نہیں، خصوصاً جب کہ شاہ صاحب خود مکہ میں مقیم بھی رہے، ابھی تک عقدہ کسی سے نہ کھل سکا۔ غالب یہی ہے کہ دونوں کی ملاقات ثابت نہیں۔

فقہ محمد بن جریر طبریؒ:

ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری، 224ھ کو طبرستان کے علاقہ آمل میں پیدا ہوئے، علم حاصل کیا اور شہروں کی خوب سیاحت کی اور اس قدر علوم جمع کئے جس میں ان کے زمانہ والے ان کے شریک فن نہ ہو سکے۔ حافظ قرآن، اصحاب اور تابعین کے اصول سے واقف لوگوں کا زمانہ اور ان کی تاریخ سے واقف تھے۔ آپ کی تصانیف میں مشہور تاریخ کی کتاب "تاریخ الامم والملوک المشہور بتاریخ الطبری" ہے۔ عربی تاریخوں میں اس سے بہتر کوئی تاریخ نہیں اور آپ کی ایک مشہور تفسیر "جامع البیان فی تاویل القرآن" ہے جس کی مثل کوئی تفسیر نہیں۔ آپ کی ایک کتاب تہذیب وآثار ہے جس کو آپ مکمل نہ کر سکے

اور ایک اختلاف فقہاء ہے۔ آپؒ کی تصنیف میں ایک کتاب لطیف القول ہے جس میں آپؒ کے منتخب اقوال درج ہیں۔ ایک کتاب خفیف ہے جس کو مکتفی وزیر کی فرمائش پر لکھا اس کے بعد کتاب بسیط لکھنا شروع کی جس میں کتاب الطھارۃ اور احکام نماز لکھے اور اسی میں کتاب الحکام و محاضر و سجلات مرتب کیں۔ ابتداءً آپؒ نے مصر میں مذہب شافعیؒ کے مطابق ربیع بن سلیمان سے فقہ حاصل کی اور امام مالکؒ کی فقہ یونس ابن عبد الاعلیٰ اور بنی عبد الحکیمؒ سے حاصل کی اور مقام رے میں ابو مقاتل سے اہل عراق کا فقہ سیکھا یہاں تک کہ آپ کا علم اس قدر وسیع ہوا کہ اجتہاد میں آپ نے اپنا ایک مستقل مذہب اختیار کر لیا۔

آپ کے وہ شاگرد جنہوں نے آپ کے منصب کے مطابق فقہ حاصل کیا حسب ذیل ہیں۔

1. علی بن عبد العزیز بن محمد بن دولابی ہیں جن کی متعدد تصانیف ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب داؤد بن مفلس جو داؤد کے شاگرد ہیں کے رد میں لکھی اور ایک کتاب افعال النبی ﷺ ہے۔
2. محمد بن احمد بن ابی الثلج کاتب۔
3. ابو الحسن احمد بن یحیٰ منجم متکلم۔ ان کی تصانیف المدخل الیٰ مذہب الطبری و نصرۃ مذہبہ اور کتاب الاجماع فی الفقہ علی مذہب الطبری اور کتاب الرد علی المخالفین ہیں۔
4. ابو الحسن دقیق حلوانی۔
5. ابو الفرج معانی بن زکریا نہروانیہ۔ جو ابو جعفر کے مذہب اور ان کی کتابوں کے حفظ کرنے میں یگانہ روزگار اور ان علوم کے علاوہ بہت سے علوم میں ماہر و یکتا تھے اور انتہاء ذکی اور بہترین حافظ اور حاضر جوابی میں مشہور تھے۔ فقہ میں بہت سی کتابیں طبری کے مذہب پر رکھی ہیں۔ یہ مذہب پانچویں صدی کے نصف تک مشہور اور معمول بہ رہا۔ یہ وہ مشہور مذہب ہیں جن پر ایک زمانہ تک عمل ہوا یا رہا پھر اس کے بعد ان کے جاننے والے ختم ہو گئے، اور صرف کتابوں میں ان کا نام باقی رہ گیا۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت ائمہ ہیں کہ وہ خود اجتہاد کرتے تھے لیکن ان کے مذاہب کے پھیلانے والے ان کو میسر نہ ہوئے جیسے لیث بن سعد امام اہل مصر اور مالکؒ کے دوست جن کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول ہے کہ وہ امام مالکؒ سے زیادہ فقیہ ہیں لیکن ان کے شاگردوں نے ان کو بلند نہیں کیا۔[21]

خلاصۃ البحث:

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اختلافات ائمہ کو مخصوص نظر سے دیکھتے ہیں، یہ اختلافات ظاہر ہیں اصولی حوالے سے نہیں بلکہ فروعی اختلاف تنوع کی بہترین شکل ہے۔ دور حاضر کی زبان میں یہ اعلیٰ درجے کی تنقید ہے، ان اختلافات کو خلاف کی شکل میں پیش کرنا

بڑی غلطی ہوگی، ان اختلافات سے یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ اختلاف رائے ہی سے ایک مثبت نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اگر ایسے اختلافات پر قدغن لگا دیا جائے تو تخلیقی سوچ منجمد ہو کر رہ جائے گی۔

حواشی وحوالہ جات

1. علامہ ابن قیم، اعلام الموقعین عن رب العلمین، مطبوعہ دار ولفکر بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۷ھ، ۱/۳۴۔
2. الرملی، خیر الدین، منحۃ الخالق علی البحر الرائق، مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ مصر، سن، ۱/۳۲۔
3. بحوالہ دہلوی، شاہ ولی اللہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، مطبوعہ ہیت الاوقاف حکومت پنجاب، لاہور ۱۹۷۱م، ص ۴۔
4. صبحی الصالح: فلسفہ التشریع الاسلامی، مکتبہ دار الکبریٰ بمصر، ص ۲۵۔
5. حوالہ بالا
6. ابوزہرہ محمد، اصول الفقہ وادلتہ، دار الفکر العربی بمصر، مطبوعہ ۱۴۰۰ھ، ۱/۱۱۔
7. بحوالہ دہلوی، شاہ ولی اللہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، مطبوعہ ہیت الاوقاف حکومت پنجاب، لاہور ۱۹۷۱م، ص ۴۔
8. حوالہ بالا
9. علامہ السیوطی، تسہیل الدرایۃ الموطاء، مقدمہ دار الفکر العربی بمصر، مطبوعہ ۱۴۰۰ھ، جلد ۱، ص ۱۱ مقدمہ۔
10. حوالہ بالا۔
11. بحوالہ دہلوی، شاہ ولی اللہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، مطبوعہ ہیت الاوقاف حکومت پنجاب، لاہور ۱۹۷۱م، ص ۴۔
12. علامہ السیوطی، تسہیل الدرایۃ الموطاء: ۱/ ۱۱۔
13. حوالہ بالا۔

14۔ صبحی الصالح: فلسفہ التشریع الاسلامی: ص ۲۵۔

15۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ "مسویٰ" شرح الموطاء العربی، قدیمی کُتب خانہ آرام باغ کراچی، مقدمہ۔

16۔ حوالہ بالا۔

17۔ صبحی الصالح: فلسفہ التشریع الاسلامی، مکتبہ دار الکبریٰ بمصر، ص ۲۵۔

18۔ دہلوی شاہ ولی اللہ "مسویٰ" شرح الموطاء العربی، قدیمی کُتب خانہ آرام باغ کراچی، مقدمہ۔

19۔ سندھی عبید اللہ، شاہ ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف، الفرقان نمبر، ۱۴۰۰ھ ص ۵۰۔

20۔ دہلوی شاہ ولی اللہ "مسویٰ" شرح الموطاء العربی، قدیمی کُتب خانہ آرام باغ کراچی، مقدمہ۔

21۔ سندھی عبید اللہ، شاہ ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف، الفرقان نمبر، ۱۴۰۰ھ ص ۵۰۔

* * *